مسئلہ ۱۹ :

اگر مجبوری کے پیش نظر 11اور 12ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے کرلی جائے تو کیااس کی گنجائش ہے؟

11 اور 12 ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے کرنے کے بارے میں حنفیہؒ کے دو قول ہیں: مشہوراور مفتی بہ قول تو یہ کہ ان دنوں کی رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، لہذا زوال سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں۔

دوسر قول حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کوچ کرنا ہو تو زوال سے پہلے بھی ان دنوں کی رمی ہو سکتی ہے، مگر یہ نادر الروایہ ہے۔

عام حالات میں مشہوراور مفتی بہ قول پر ہی عمل کرنا چاہئے اور اگر جلدی ہو تو زوال سے پہلے رمی کے مقام پر پہنچ کر جوں ہی زوال ہو جائے رمی کرلی جائے ،تاہم اگر انتہائی مجبوری ہو، مثلاً زوال کے بعد رمی کی صورت میں جہاز نکلنے کا خطرہ ہو اور حاجی دم دینے کی استطاعت رکھتا ہو تو ایسا حاجی نائب سے رمی بعد الزوال کروا کر دم ادا کرے اور اگر دم دینے کی استطاعت نہیں تو ایسے شخص کے لیے امام صاحب کے قول پر قبل از زوال رمی کرنے اور دم نہ دینے کی گنجائش ہے، یہی رائے حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی بھی ہے، ۱۴۳۷ء کے حج کے موقع پر گرمی کی شدت اور بھگدڑ مچنے کی وجہ سے جو اندوہناک حادثہ پیش آیا اور سینکڑوں حجاج شہید اور سینکڑوں زخمی ہوئے ،اس موقع پر حضرت نے جو کچھ ارشاد فرمایا ذیل میں بلفظہ ملاحظہ ہو:

”دوسرا مسئلہ 12 تاریخ کو زوال سے پہلے رمی کا ہے۔اتفاق سے میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنکی پرواز ٹھیک اسی دن تھی یعنی 12 ذوالحجہ کی رات کو پرواز تھی۔ مجھ سے جن لوگوں نے مسئلہ پوچھا میں نے ان سے یہی عرض کیا کہ حتی الامکان یہی کوشش کرنی چاہیے کہ بارہ کو رمی زوال کے بعد کریں، جس کا طریقہ یہ ہو کہ زوال سے کچھ پہلے جمرات تک پہنچ جائیں اور زوال ہوتے ہی رمی کر کے واپس آجائیں۔ ہم نے بھی اسی طرح پروگرام بنایا تھا،الحمد للہ اسی پر عمل ہوا۔ ہم تقریبا 11 بجے نکل گئے تھے اور زوال سے آدھا گھنٹہ پہلے وہاں

پہنچ گئے، جیسے ہی زوال ہوا ہم نے رمی کی اور رمی کر کے واپس آ گئے اور الحمدللہ جو وقت مقرر تھا بس کی روانگی کا، اسی کے مطابق روانہ ہوئے۔ جن جن لوگوں نے مسئلہ پوچھا تو میں یہی کہتا کہ حتی الامکان یہی کوشش کریں لیکن ساتھ ہی ساتھ ایسے لوگ جو مستطیع تھے اور رمی نہیں کر سکے، انہوں نے اس وقت مسئلہ پوچھا جب وقت کم تھا توان سے میں نے کہا کہ وہ کسی کو نائب بنا دیں اور ساتھ ہی دم بھی دے دیں۔ البتہ ایسے لوگ جو مستطیع نہیں ہیں وہ دم نہیں دے سکتے ان سے میں نے عرض کیا کہ ان کے لیے اس قول پر عمل کی گنجائش ہے جو حسن بن زیادؒ کی روایت ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی سے، رمی قبل الزوال کے جواز کی۔ یہ روایات ایسی ہوتی ہیں اگرچہ عام حالات میں ان پر فتوی نہیں دیا جاتا لیکن مجبوری کی حالت میں ان پر فتوی کی گنجائش ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فیض الباری میں اس پر مفصل بحث بھی فرمائی ہے کہ یہ سمجھنا درست نہیں کہ نوادر پر کسی وقت بھی عمل نہیں ہوتا، اگرچہ یہ روایت نوادر کی ہے لیکن جب ایسی صورت پیش آ جائے کہ نوادر کی روایت پر عمل کے بغیر چارہ کار نہ ہو، تو اس وقت اس کی گنجائش ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور جو لوگ مستطیع نہیں ان پر دم کا وجوب بھی نہیں ہے، جو لوگ مستطیع تھے ان سے کہا کہ دم بھی دیں، چنانچہ برصغیر کے متعدد علماء نے بھی اس پر فتوی دیا ہے۔ ایک فتوی اس سلسلے میں میرے والد صاحب کا بھی ہے۔ (''واٹس اپ'' پر مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کی آڈیو گفتگو کا متن)

اس وقت جب یہ تحریر لکھی جا رہی ہے، یعنی ۵ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ میں حکومتِ سعودیہ نے حجاج کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ان کے لیے رمی کے الگ الگ اوقات مقرر کر دیئے ہیں، بہت سے حجاج کے لیے ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال سے پہلے رکھا گیا ہے اور اس پر سختی سے عمل درآمد کروایا جائے گا، تاکہ گزشتہ سال جیسے حادثات کا سدِّباب ہو، بظاہرِ حالات اگر ایسے حجاج کرام زوال کے بعد رمی کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکیں گے، ایسی صورتِ حال میں جمہور ائمہ کی رائے کے مطابق تو اس کی گنجائش نہیں نکلتی، کیونکہ ان کے ہاں ۱۲، ۱۳ کی رمی زوال کے بعد ہی کرنا لازم ہے، پہلے جائز نہیں، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا راجح قول اور حنفیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے، تاہم امام ابو حنیفہؒ کی نادر الروایہ، امام احمد رحمہ اللہ علیہ کی ایک روایت، امام ابو جعفر، طاؤس اور حضرت عطاء رحمھم اللہ کے نزدیک ان دنوں کی رمی زوال سے پہلے

بھی کی جاسکتی ہے،اس وقت جبکہ حکومت سعودیہ نے ہر گروپ کے لیے مقررہ وقت کے علاوہ رمی کرنے پر پابندی لگادی ہے اور وقت بھی زوال سے پہلے متعین کرلیا ہے تو ایسی مجبوری میں ان حضرات کے اقوال پر عمل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، فللّٰہ درھم، اس وقت تمام مذاہب والے ان بزرگوں کے اقوال پر عمل کرنے پر مجبور ہیں، اس کے علاوہ اس کا اور کوئی حل نظر نہیں آتا۔

اس تفصیل کے پیشِ نظر مجبوری میں زوال سے پہلے رمی کرنے کی صورت میں دم بھی لازم نہیں ہونا چاہیے، تاہم اگر استطاعت رکھنے والا دم دے دے تو بہتر ہے۔

وفی الدر المختار وحاشیة ابن عابدین (ردالمحتار) (521/2):

قال في اللباب: وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال، فلا يجوز قبله في المشهور. وقيل يجوز.

الموسوعة الفقهية الكويتية (158/23)

والأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة، لا سيما في زمننا

قال في البحر العميق:

" فهو قول مختار يعمل به بلا ريب، وعليه عمل الناس، وبه جزم بعض الشافعي حتى زعم الأسنوي أنه المذهب ". كذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي قاري ص 161. (بحواله حاشيه الموسوعة الفقهية الكويتية (158/23)

وفی المبسوط للسرخسي (68/4):

وإن رماها في اليوم الثاني من أيام النحر قبل الزوال لم يجزه؛ لأن وقت الرمي في هذا اليوم بعد الزوال عرف بفعل رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فلا يجزئه قبله، وذكر الحاكم الشهيد - رحمه الله تعالى - في المنتقى أن ما قبل الزوال يوم النحر وقت الرمي حتى لو رمى أجزأه. (قال) وكذلك في اليوم الثالث من يوم النحر، وهو اليوم الثاني من أيام التشريق، وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالى إن كان من قصده أن يتعجل النفر الأول فلا بأس بأن يرمي في اليوم الثالث قبل الزوال، وإن رمى بعد الزوال فهو أفضل، وإن لم يكن ذلك من قصده لا يجزئه الرمي إلا بعد الزوال؛ لأنه إذا كان من قصده التعجيل فربما يلحقه بعض الحرج في تأخير الرمي إلى ما بعد الزوال بأن لا يصل إلى مكة إلا بالليل فهو محتاج إلى أن يرمي قبل الزوال ليصل إلى مكة بالنهار فيرى موضع نزوله فيرخص له في ذلك، والأفضل ما هو العزيمة، وهو الرمي بعد الزوال، وفي ظاهر الرواية يقول هذا اليوم نظير اليوم الثاني فإن النبي - صلى الله عليه وسلم - رمى فيه بعد الزوال فلا يجزئه الرمي فيه قبل الزوال..... وإن صبر إلى اليوم الرابع جاز له أن يرمي الجمار

فيه قبل الزوال استحسانا في قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى -، وعلى قولهما لا يجزئه بمنزلة اليوم الثاني، والثالث؛ لأنه يوم ترمى فيه الجمار

وفى البحر العميق (۱۸۲۹/۴):

وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالى إن كان من قصده أن يتعجل النفر الأول فلا بأس بأن يرمي في اليوم الثالث قبل الزوال، وإن رمى بعد الزوال فهو أفضل، وإن لم يكن ذلك من قصده لا يجزئه الرمي إلا بعد الزوال؛ لأنه إذا كان من قصده التعجيل فربما يلحقه بعض الحرج في تأخير الرمي إلى ما بعد الزوال بأن لا يصل إلى مكة إلا بالليل فهو محتاج إلى أن يرمي قبل الزوال ليصل إلى مكة بالنهار فيرى موضع نزوله فيرخص له في ذلك، والأفضل ما هو العزيمة، وهو الرمي بعد الزوال، وفي ظاهر الرواية يقول هذا اليوم نظير اليوم الثاني فإن النبي - صلى الله عليه وسلم - رمى فيه بعد الزوال فلا يجزئه الرمي فيه قبل الزوال. وقال الحصيرى: والمذهب انه لا يجوز الرمى قبل الزوال فى هذين اليومين.

وفى درر الحكام شرح غرر الأحكام (230/1):

قوله ورمي الجمار الثلاث بعد زوال ثاني النحر) هو المشهور من الرواية عن الإمام فلا يصح قبل الزوال وروي عنه أنه إن كان قصده أن يتعجل في النفر فلا بأس أن يرمي قبل الزوال كما في الفتح وغيره

وفى المحيط البرهاني في الفقه النعماني (429/2):

قال الحسن في «مناسكه» من حين تطلع الشمس من يوم النحر هو الوقت المستحب للرمي، ومن حين زالت الشمس إلى ما قبل طلوع الفجر الثاني من غده هو وقت جمار الرمي مع الكراهة والإساءة، هذا هو الكلام في اليوم الثاني والثالث، فوقت الرمي ما بعد الزوال ولو رمى قبل الزوال لا يجزئه هكذا ذكر في «الأصل» و«المجرد»، وذكر الحاكم الشهيد في «المنتقى» قال محمد رحمه الله: كان أبو حنيفة يقول: أحب إلي أن لا يرمي في اليوم الثاني والثالث حتى تزول الشمس، وإن رمى قبل ذلك أجزأه، فصار في اليوم الثاني والثالث روايتان. وذكر في «المجرد» عن أبي حنيفة لو أراد أن ينفر في اليوم الثالث، فله أن يرمي قبل الزوال، وإنما لا يجوز الرمي قبل الزوال لمن لا يريد النفر فيه، وروى ابن أبي مالك عن أبي يوسف أنه لا يرمي في اليوم الثالث قبل الزوال، وإن أراد أن ينفر فيه، وأما في اليوم الرابع فلا رمي فيه إلا بعد الزوال، ولو رمى قبل الزوال أجزأه في قول أبي حنيفة، وعندهما لا يجوز إلا بعد الزوال.

وفى بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (137/2):

وأما وقت الرمي من اليوم الأول والثاني من أيام التشريق، وهو اليوم الثاني والثالث من أيام الرمي فبعد الزوال حتى لا يجوز الرمي فيهما قبل الزوال في الرواية المشهورة عن أبي حنيفة. <u>وروي عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال، فإن رمى قبله جاز،</u> وجه هذه الرواية أن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث؛ لأن الكل أيام النحر، وجه الرواية المشهورة ما روي

عن جابر - رضي الله عنه - «أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - رمى الجمرة يوم النحر ضحى، ورمى في بقية الأيام بعد الزوال»، وهذا باب لا يعرف بالقياس بل بالتوقيف.

المغني لابن قدامة (399/3):

[فصل الرمي يوم النفر قبل الزوال وفي أيام التشريق بعد الزوال] (2569) فصل: ولا يرمي في أيام التشريق إلا بعد الزوال، فإن رمى قبل الزوال أعاد. نص عليه. وروي ذلك عن ابن عمر. وبه قال مالك، والثوري، والشافعي، وإسحاق، وأصحاب الرأي. وروي عن الحسن، وعطاء، إلا أن إسحاق وأصحاب الرأي، رخصوا في الرمي يوم النفر قبل الزوال، ولا ينفر إلا بعد الزوال. وعن أحمد مثله. ورخص عكرمة في ذلك أيضا. وقال طاوس: يرمي قبل الزوال، وينفر قبله. ولنا، أن النبي - صلى الله عليه وسلم - إنما رمى بعد الزوال؛ لقول عائشة: يرمي الجمرة إذا زالت الشمس. وقول جابر، في صفة حج النبي - صلى الله عليه وسلم -: رأيت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يرمي الجمرة ضحى يوم النحر، ورمى بعد ذلك بعد زوال الشمس. وقد قال النبي - صلى الله عليه وسلم -: «خذوا عني مناسككم». وقال ابن عمر: كنا نتحين إذا زالت الشمس رمينا. وأي وقت رمى بعد الزوال أجزأه، إلا أن المستحب المبادرة إليها حين الزوال، كما قال ابن عمر. «وقال ابن عباس إن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كان يرمي الجمار إذا زالت الشمس، قدر ما إذا فرغ من رميه صلى الظهر». رواه ابن ماجه.

وفی رسائل ابن عابدین:

أما لو عمل بالضعيف فی بعض الأوقات لضرورة اقتضت ذلك فلا یمنع منه (ص: ۴۹)

اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے سولہویں سیمنار منعقدہ 30 مارچ تا 2 اپریل 2007ء میں بھی دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ زیر غور آیا، اس مجلس میں مذکورہ مسئلہ پر ۳۴ مقالات پیش کئے گئے، جن کا خلاصہ من وعن درج ذیل ہے:

سوال: کیا گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے؟

اس کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ مشہور روایت کے مطابق جمہور علماء کے نزدیک گیارہ اور بارہ کی رمی زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، اگر کسی نے زوال شمس سے پہلے رمی کر لی تو زوال کے بعد اس کا اعادہ واجب، ورنہ دم دینا لازم ہوگا، اس مسئلہ میں ایک سے زائد احادیث وارد ہوئی ہیں:

۱۔عن جابر قال: رمی النبی ﷺ الجمرة یوم النحر ضحی، ورمی بعد یوم النحر اذا زالت الشمس (سنن ابی داؤد ص ۲۷۱)

۲۔عن وبرة قال: سألت ابن عمر رضی اللہ عنه متی أرمی الجمار؟ قال اذا رمی امامک فارم، فأعدت علیه المسئلة فقال: کنا نتحین زوال الشمس فاذا زالت الشمس رمینا (حوالہ مذکورہ)

ہر مقالہ نگار نے متداول فقہی کتابوں سے فقہاء کرام کی تصریحات نقل کی ہیں، ہم یہاں صرف ایک فقہی عبارت کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں:

ووقت رمی الجمار الثلاث فی الیوم الثانی والثالث من أیام النحر بعد الزوال فلا یجوز أی الرمی قبله ای قبل الزوال فیهما فی المشهورة ای عند الجمهور (شرح اللباب ص: ۱۶۱، دیکھئے بدائع ۳۲۴/۲، البحر الرائق، فتح القدیر وغیرہ)

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی محمد سلمان منصورپوری، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی (جامعہ ابن تیمیہ)، مفتی ظہیر احمد، مفتی شیر علی گجراتی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا محمد اعظمی کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ائمہ اربعہ متبوعین میں سے کسی کا بھی قول ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا نہیں ملتا، بلکہ اگر کسی نے کر لیا تو زوال کے بعد اعادہ کرنا ہوگا، نیز کتبِ حدیث میں بھی ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا ذکر نہیں ملتا، لہٰذا زوال سے پہلے کسی بھی وقت رمی کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی، دوسری بات یہ ہے کہ خود ان کی رمی کے اوقات میں اتنی وسعت ہے کہ کہ دوسرے اوقات غیر منصوصہ میں رمی کی ضرورت نہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے تمام مقالہ نگار حضرات[1] کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ کی دوسری روایت جو اگرچہ غیر مشہور ہے خاص طور سے ایسے موقع پر جب حجاج کی کثرت اور روز بروز بڑھتے ازدحام کی صورت میں ہونے والے حادثات کی وجہ سے ہر سال سیکڑوں انسانی جانیں جارہی ہیں اختیار کرنا چاہیے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی ہے، حالانکہ زوال سے قبل رمی کرنے کی رائے میں امام ابوحنیفہ تنہا نہیں ہیں، امام احمد، امام

1: صفحہ نمبر ۴۴ پر ان حضرات کے نام مذکور ہیں جن کی تعداد 19 بنتی ہے۔ حکیم شاہ

ابو جعفر، طاؤس اور عطاء رحمھم اللہ کی رائے بھی یہی ہے (دیکھئے: فتح الباری 580/3، شرح النووی 48/9، بدائع الصنائع 324/2، فتح القدیر 324/2، المغنی 484/3، بدایۃ المجتھد 258/1)

صاحب بدائع نے اس روایت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ پہلے دن زوال سے قبل رمی کا وقت ہے، تو دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوگا، اس لیے ہر دن ایامِ نحر سے ہے (بدائع 1122/3)

اوجز المسالک کے حوالے سے مفتی عبد الرحیم صاحب نے لکھا ہے کہ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جس میں آپ ﷺ سے زوال کے بعد رمی ثابت ہے تو اس کو افضل پر محمول کیا جائے۔(662/3)

اس سلسلے میں مولانا تنظیم عالم قاسمی صاحب نے الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیہ کی یہ عبارت ذکر کی ہے:

والأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة، لا سيما في زمننا الموسوعة الفقهية الكويتية (23/ 158) اور حاشیہ میں ہے: قال في البحر العميق: " فهو قول مختار يعمل به بلا ريب، وعليه عمل الناس.(158/23)

مولانا بدر احمد مجیبی لکھتے ہیں: لیکن اس پر عمومی طور پر فتوی دینا اور اعلان کرنا کہ ان دونوں ایام میں رمی کا وقت زوال آفتاب سے قبل صبح صادق سے ہی شروع ہو جاتا ہے، یہ درست نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا عمل، صحابہ کا تعامل اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان ایام کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اس کے خلاف عمل کی اجازت شدید ضرورت کی صورت میں تو دی جاسکتی ہے، لیکن ہر فرد کے ساتھ یہ ضرورت پائی جارہی ہو یہ متحقق نہیں۔

مولانا برھان الدین صاحب سنبلی لکھتے ہیں: مگر یہاں یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ عموماً عمر میں ایک بار حج فرض کرنے کا موقع ملتا ہے تو ایسے عمل سے جو محل اختلاف ہو بچنا چاہیے، اس لیے کم از کم حج فرض میں تو اس کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔(رمی جمار کے اوقات اور منی شب گذاری موجودہ حالات کے پسِ منظر میں، مجلس ادارت اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا ص: 24-27)